ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

ڈاکٹر روبینہ رشید
لیکچرر، شعبہ اردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی، پشاور
ڈاکٹر محمد رحمان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
ڈاکٹر بسمینہ سراج
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی، پشاور

اے حمید کے ناول "ڈربے" پر تقسیم ہند کے اثرات

Dr Robina Rashid
Lecturer, Department of Urdu, Shaheed Banazir Bhutto Woment University, Peshawar.
Dr Muhammad Rahman
Assistant Professor, Department of Urdu, Hazara University, Mansehra.
Dr Bismina Siraj
Assistant Professor, Department of Urdu, Shaheed Banazir Bhutto Women University Peshawar.

Impacts of the partition of Hind on A Hameed's Novel "Darbay"

A Hameed was a prominent story writer and novelist of Urdu. He authored a large number of books and got fame through his biography and travelogue books. A Hameed had an impressive writing style which attracted the readers. He made perfervid illustriousness in the realm of Urdu Literature through his writings especially by his novels and stories. Most of his novels have been published after the partition of India because his literary narratives and norms badly confronted the consequences of the Partition. His first novel '' Darbay'' portraits and encompasses the entire happenings and events took place during the partition. In addition to providing the succinct contemporary review of the most significant issue of the refugees, the author also evaluates social, economic and political instabilities of

citizens of the newly born state. The Novel'' Darbay'' was written in the same context.

Key Words: *Impacts, Partition, Succinct, Illustriousness, Encompass, Portrait, Contemporary, Perfervid.*

اے حمید اردو کے نمایاں ناول نگار ہیں۔ بحیثیت ناول نگار ان کی پہچان پاکستان کے قیام سے قبل اور بعد میں ہو گئی تھی۔ ان کا پہلا ناول "ڈربے" ہے جو ۱۹۴۸ء میں چھپا۔ اسی بارے میں اکثر انہوں نے کئی جگہ لکھا بھی ہے کہ "ڈربے" میرا پہلا ناول ہے۔ راقمہ کا موضوع چونکہ تقسیم ہند کے اثرات کے حوالے سے ہے۔ یہاں اے حمید کے ناول "ڈربے" کے اسی پہلو کو مد نظر رکھا جائے گا۔ چونکہ ان کا خاندان خود بھی تقسیم ہند کے اثرات سے بچا ہوا نہیں تھا اس لیے انہوں نے شروعات ہی ایک ایسے ناول سے کی کہ اس آئینے میں سب کچھ صاف نظر آتا ہے۔ اے حمید ناول نگاری کی طرح افسانے بھی لکھے لیکن چونکہ ناول کا کینوس زیادہ وسیع ہوتا ہے ناول افسانوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس ناول پر تقسیم برصغیر کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ تقسیم ہند کے اثرات افسانے میں نہیں سما سکتے تھے اس وجہ سے اے حمید نے اسے ناول کی شکل میں پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ "ڈربے" میں یہی حالات ہمیں ملتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر یوسف عباسی کے خیالات کچھ یوں ہیں کہ "اس ناول میں امر تسر کے مہاجرین مسلمانوں کی کہانی ہے۔ جو ہندستان سے نئے پاکستان آکر آباد ہونے کے لیے کوششیں کر رہے تھے۔"(۱)

ڈربے کا معنی ہی چھوٹا سا کمرا ہے۔ عام طور پر یہ لفظ پرندوں اور جانوروں کے رہنے کی جگہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اے حمید نے اس لفظ کو وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ڈربے میں رہنے والے پرندے ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ یہ "ڈربہ" میرا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس پر کسی اور کا حق تسلیم نہیں کرتے۔ اسی طرح جب برصغیر تقسیم ہوا تو پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والے لوگ لٹی پٹی حالت میں یہاں آئے۔ ان مہاجرین کا یہ مسئلہ تھا کہ ان کے پاس کوئی آئیڈیا نہیں تھا کہ کہاں رہائش اختیار کی جائے۔ جی جگہ جو بھی جگہ ملتی وہیں سب رہ لیتے۔ اے حمید ایک ایسا ہی منظر کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> " بازاروں میں چھکڑوں، ریڑھوں، دوکانوں کے تختوں اور ادھر اُدھر کھڑے تانگوں پر اپنے گھر بار لٹوا کر آئے ہوئے لوگ سوئے ہوتے۔ اکثر جسم ننگے ہوتے، ہونٹ ادھ کھلے ہوتے اور بند آنکھوں پر مرونی چھائی ہوتی۔ جگہ جگہ بندھے ہوئے ڈور ڈنگر۔۔۔ گدھے،

بکریاں اور گھوڑے بے دلی سے اپنی دُمیں ہلا ہلا کر مکھیاں اُڑاتے رہتے۔ فضاء میں لید اور پیشاب کی تیز بُو رہتی"۔(۲)

پاکستان ایک نئی سلطنت تھی اور اس کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ مہاجرین کی آباد کاری کرتا۔ اس لیے اے حمید نے اس ناول کو" ڈربے" کا عنوان دیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ جو ہجرت کر کے آرہے تھے ان کو کوئی تو رہائش دینی تھی۔ یہ جگہ چھوٹے چھوٹے گھروں کی شکل میں تھی۔ اس وجہ سے ان کی رہائش کو" ڈربے" کا نام دیا۔ اے حمید کا خاندان خود بھی امرتسر سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تقسیم کے وقت ہنگامے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ یہ ہنگامے ایسے تھے کہ ان کو دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کا مسلمانوں پر ظلم وستم کرنا اور مسلمانوں کے راستے میں کھڑے ہو کر ان کو نقصان دینا ایسے واقعات تھے۔ جن کے گواہ اے حمید خود تھے۔ شریف پورہ میں پہلے سے رہائشی اپنا سامان باندھ کر جانے کی تیاریوں میں تھے اور جو گھر چھوڑ کر جارہے تھے ان گھروں کی ایسی حالت کر رہے تھے کہ وہ کسی کہ رہنے کے قابل نہ رہیں۔ اے حمید لکھتے ہیں کہ:۔

"ان میں سے بہت سے لوگوں نے آنگن میں پھیلی ہوئی بیلیں تک اکھاڑ پھینکیں۔ دروازوں، کھڑکیوں کے پٹ اتار کر ان کی کھپچیاں بنالیں اور ایندھن کے چور پر بوریوں میں ڈال لیا۔ پمپوں کی ہتھیاں، نلکوں کی ٹوٹیاں، انگیٹھیوں کی سلاخیں، کبوتروں کی کلابکیں، کھونٹیاں، بجلی کے میٹر، سب کچھ اکھاڑ کر سمیٹ لیا اور جاتی مرتبہ چولہوں کو لات مار کر ڈھادیا۔ فرش جگہ جگہ سے اُکھاڑ دیا۔ دیواروں پر سیاہی اور حقے کا پانی چھڑک دیا۔ بعض لوگوں نے حقوں کو عین دروازے میں رکھ دیا"۔(۳)

اے حمید تقسیم ہند اور اس کے دوران ہونے والے فسادات ہجرت کے بارے میں ہونے والی ریلوئے لائن پر ہلچل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"ریلوئے لائن کے دونوں طرف آدمیوں عورتوں، بچوں، صندوقوں، چارپائیوں، گھوڑوں، گدھوں، گائے بھینسوں کی قطاریں لگ گئیں اور ایک دن سچ مچ گاڑی چپکے سے آن کھڑی ہوئیاور ہجوم ایک دم اس پر پل پڑا۔ اسباب ڈبوں میں پھینکا جارہاہے بکریاں گھسیٹی جارہی

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

ہیں۔ عورتوں بچوں کو پکار رہی ہیں۔ آدمی ایک دوسرے کو زور زور سے آوازیں دے رہے
ہیں"۔ (۴)

اے حمید کے اس ناول سے صاف پتا چلتا ہے کہ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے حالات کیا تھے۔ وہ تمام برائیاں ہمارے معاشرے کا حصہ تھیں۔ یہ تمام حقائق اس وقت کے تمام لکھاریوں کی تحریروں میں صاف نظر آتے ہیں۔ اگر مہاجرین پاکستان آ بھی گئے تو انہیں پاکستان کے اندر بھی بار بار اپنا آشیانہ بدلنا پڑا۔

"ڈربے" میں تقسیم ہند کے حالات کا آئینہ ہے۔ پاکستان کے اندر بھی ایسے لوگ موجود تھے جو مہاجرین کے ساتھ غیر میزبانہ برتاو کر رہے تھے۔ اور ان کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ یہی چیز ہندووں میں بھی تھی اور ادھر بھی تھی۔ اے حمید کا یہ ناول اس وقت کے معاشرتی مسائل کی منہ بولتی تصویر پیش کرتا ہے۔ ان مسائل میں غربت، خاندانی چپقلش، بے حسی، اور معاشرتی اونچ نیچ جیسے مسائل شامل ہیں۔ کسی بھی ملک کے باشندوں کا اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا بہت تکلیف دہ امر ہوتا ہے کیونکہ وہ دوسرے ملک میں مہاجر بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی تمام تر حسیات کو کچوکے لگتے رہتے ہیں۔ اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں آباد ہونا ایک تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ اپنے دوست احباب اور رشتہ داروں سے جدا ہونا کسے قبول ہوتا ہے۔ اس طرح دوسرے ملک کے لوگوں کی بے حسی، ان کے رویوں، ان کا پیسے سے پیار اور ان کے ساتھ ذہنی چپقلش جیسے مسائل بھی درمیان میں آتے ہیں۔

ناول کے ہیرو اور اس کا خاندان امر تسر سے شیخوپورہ منتقل ہو جاتا ہے۔ ادھر آ کر ان کو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جہاں رہائش پزیر ہیں وہاں کا مالک ایک چالاک اور تیز طراز بیوپاری ہے جس کی ساری عمر غلط لوگوں کی محفلوں میں گزری ہے۔ یہ کردار معاشرتی بے حسی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کیونکہ ایسے لوگ دوسروں کی مصیبتوں سے فائدہ اٹھاتے اور ان کی مجبوریوں کے دام وصول کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے چونکہ اس وقت شریف پورہ میں مسلمان مہاجرین کا کیمپ لگا ہوا تھا جس میں انھیں پناہ مل رہی تھی۔ اس پناہ گاہ کے ارد گرد ہندو بھوکے بھیڑیوں کی طرح مسلمانوں کی بو سونگتے پھر رہے تھے۔ شریف پورہ کے گرد سخت پہرہ تھا۔ بہر حال اس دوران ہیرو اور اس کے گھر کے افراد کسی طرح اپنی جانیں بچا کر لاہور پہنچ گئے۔ لاہور آ کر یہ لوگ ایک ہندو تاجر کے گھر کرایہ پر رہنے لگے۔ لیکن اس گھر کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں ٹوٹے ہوئے تھے۔ بجلی کا نظام بھی درہم برہم تھا۔ مچھر رات بھر تنگ کرتے تھے۔ جس گھر میں وہ ٹھہرے اس کی حالت

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

بہت خراب تھی اور پھر برسات کی بارشیں شروع ہو گیئں گلیوں کھیتوں کی حالت برداشت سے باہر تھی اے حمید برسات کی بارشوں کے اثرات کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

برسات اپنے جوبن پر تھی لمبی لمبی جھڑیاں شروع ہو گئیں تھیں۔ بازاروں میں پانی کھڑا تھا اور گلیاں گندگی اور کیچڑ سے بھر گئی تھیں۔ پل بھر کے لیے بارش تھمتی تو بادلوں کی کسی درز میں سورج کی نوکیلی کرنیں زمین کو جھانکتیں اور تپش اور گھمس کے مارے لوگوں کا دم گھٹنے لگتا بدرو اور بڑے بڑے گندے نالے منہ در منہ بھر آئے تھے۔ آبادی سے باہر نکل کر سبزیوں کے کھیتوں کا سلسلہ تھا۔۔۔۔۔لوگ صبح صبح ان کھیتوں میں نکل جاتے اور گندگی پھیلا کر واپس آجاتے۔ رات کے وقت ان کھیتوں میں سے گرم اور متعفن ہوا کے بھپارے اُٹھتے اور مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں آیا کرتیں مینہ کھل کر برستا تو ریلوے کوارٹروں کی دہلیزوں تک پانی چڑھ آتا اور گندگی سے بھرے ہوئے بٹھل تیرنے لگتے۔" (۵)

ہیرو کا بڑا بھائی جو ایک آرٹسٹ تھا بہت نازوں میں پلا ہوا تھا۔ وہ ان حالات سے بہت تنگ تھا۔ اسی طرح سب بہن بھائی مشکل سے گزارہ کر رہے تھے۔ اور اپنے ماضی کی یاد میں امرتسر کو یاد کر کے خون کے آنسو رو رہے تھے۔ ان لوگوں کے روزگار کے بھی مسائل تھے۔ ناول کا ہیرو سارا سارا دن روزگار کے سلسلے میں اور شام کو تھکا ہارا گھر آتا۔ اسی طرح جب یہ لوگ سرکاری راشن کے لیے جاتے تو حکومتی کارندے انہیں ایسے گھورتے جیسے یہ کوئی بھکاری ہوں یوں یہ لوگ فاقے کر رہے تھے۔ کیمپ میں ہیضے کی وباء پھیل گئی لوگ اس بیماری سے مرنے لگے اور لاشوں کو دیکھ کر لوگوں میں ڈر اور خوف کی لہر پھیل گئی۔ اے حمید کیمپ کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دوسرے دن میں نے مہاجرین کیمپ اور اسٹیشن پر بڑے دردناک منظر دیکھے۔ پلیٹ فارم پر لوگ ہیضے کا شکار ہو کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے تھے۔ سرکاری ڈاکٹر ناک پر سفید بال باندھے یہاں وہاں قلعی چونا بکھیر رہے تھے۔ ایک جگہ جہاں پلیٹ فارم ختم ہو کر ڈھلوان ہو گیا تھا ایک دیہاتی کسان زمین پر پڑا مر رہا تھا۔ اس کے پاس ڈاکٹر کھڑا ٹیکے میں دوائی بھر رہا تھا۔ ٹیکہ لگ چکنے پر اس نے دیکھا کہ کسان کا سانس اُکھڑنے لگا ہے۔ چھوٹے ڈاکٹر نے پنسل کاغذ نکال کر اس کا پتہ پوچھا۔ کسان نے سر ہلا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن موت نے اُسے مہلت نہ دی اور وہ اکڑ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ میں ڈر کر وہاں سے بھاگا اور باہر نکل آیا۔ باہر

مہاجرین کے کیمپ کے آگے ایک ملٹری ٹرک میں مردہ لاشوں کو لادا جارہا تھا۔ اس رات میں سوتے میں کئی بار ڈر کر جاگ پڑا۔" (۶)

ہیرو کا چچا عرصہ دراز سے لاہور میں مقیم تھا۔ سائیکلوں کی مرمت کا کام کرتا تھا۔ خاصہ اچھا کام چل رہا تھا لیکن انہوں نے بھی اس وقت ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ یہ لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے قدم جمانے لگے۔ اگرچہ گزارہ مشکل سے ہو رہا تھا لیکن انسان بڑی ظالم چیز ہے یہ ہر قسم کے حالات سے بچ کر نکل جاتا ہے۔ یوں یہ لوگ بھی وقت کاٹنے لگے اسی دوران برسات کا موسم شروع ہوا تو مکان کچا ہونے کی وجہ سے ٹپکنے لگا ارد گرد کے لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے لگے۔ ہیرو کے والد بھی اسی دوران وفات پا گئے۔ اور ان حالات میں مولوی بھی جنازے پڑھا پڑھا کر تھک گئے تھے ان کے لئے ایک عام سی بات رہ گئی تھی۔ ان کا حال یوں بیان کیا گیا ہے:

"لاش کی چارپائی کی پائنتی کی طرف میری چھوٹی بہن بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھی۔ ۔۔۔ کوچوان کی بیوی بھی ٹسوے بہارہی تھی اور کسی وقت چچی کے کان میں کہہ رہی دیتی:
"لاش کو جلدی ٹھکانے لگانا چاہیے۔ دیکھتی نہیں پیٹ پھول رہا ہے"
لاش کا پیٹ واقعی پھول رہا تھا اور چارپائی کے عین بیچ میں گنبد سا بن رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بڑا دروازہ کھلا اور چچا مع کوچوان داخل ہوا۔ اس نے کوٹ پر سے بارش کے قطرے جھاڑتے ہوئے کہا:
"بارش پھر شروع ہو گئی ہے۔ مولوی صاحب کو بڑی مشکل سے اُٹھایا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے میں خود بیمار ہوں۔۔۔۔۔ پوچھے جب بارش تھمی تو میرے باپ کو دفنا دیا گیا۔"(۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر مجبور ہو گئے تھے۔ کہ مولوی بھی جنازے پڑھاتے پڑھاتے تھک گئے تھے۔ برسات کی وجہ سے ندی نالے پھوٹ پڑے تھے۔ ان کے گھر کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس دوران ان کے چچا انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے۔ اس دوران ہیرو کے آرٹسٹ بھائی کو ایک اچھی جگہ نوکری ملی۔ اور اس خاندان کا کچھ اچھا وقت گزرنے لگا۔ اسی دوران چچا کی بیٹی زینی کی شادی خاندان سے باہر ہوتی ہے۔ رشتہ کرتے وقت بتایا گیا کہ لڑکا گاڑیوں کا کاروبار کرتا ہے لیکن شادی کے بعد پتا چلتا ہے کہ وہ تو محض ایک ڈرائیور ہے۔ اس طرح کے مسائل تھے جو تقسیم ہند کے وقت رونما ہو رہے تھے اور لوگ مجبور و بے بس تھے جھوٹ اور دغا بازی کا بازار گرم تھا۔ دولت

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

مند دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹ رہے تھے رشتے کرواتے وقت جھوٹ بولنا معمولی سی بات سمجھی جاتی تھی اور غریبوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا چالاکی اور سمجھ داری سمجھی جاتی تھی۔

"ڈربے" میں ہجرت کے واقعات کے ساتھ معاشرتی ناہمواریوں کا بیان ملتا ہے انسان کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت کا دھڑ کا لگا رہتا تھا۔ اس وقت کا معاشرہ دو قسم کے گروہوں میں منقسم تھا۔ ایک تو دولت مند تھے جو موقع سے فائدہ اٹھانا اپنی اضافی اہلیت سمجھتے تھے جبکہ دوسرے قسم کے لوگ وہ تھے جن کے دلوں میں غریبوں اور ناداروں کے لیے واقعی نرم گوشہ موجود تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے سے اچھائی ختم نہیں ہوئی تھی۔

" ڈربے' میں جس خاندان کی کہانی ہے اس میں ہیرو کے خاندان کا پاکستان کی طرف ہجرت کرنا پھر کیمپ میں رہائش پذیر ہونا اور بعد میں لاہور آکر مختلف گھروں میں رہائش پذیر ہونا ایسے واقعات ہیں جو تقسیم کے وقت روز مرہ کا معمول تھے۔ ایسے کتنے ہی خاندان تھے جو اس طرح کے حالات سے گزر رہے تھے یہ صرف ایک خاندان کی کہانی نہیں بلکہ اس معاشرے کی کہانی ہے جو تقسیم ہند کے اثرات سے متاثر تھے۔

> " بھوکے پیاسے ،لٹے پٹے لوگوں کے قافلے شہر میں وارد ہو رہے تھے۔ کیمپوں میں جگہ نہ ہونے کے باعث اُنہوں نے اسٹیشن کے اندر باہر ڈیرے ڈال لیے تھے۔ وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔" (۸)

"ڈربے" کی علامت ناول میں صحیح معنوں میں استعمال ہوتی ہے کیونکہ ایسے مفلوک الحال لوگوں کا مقدر ڈربے ہی ہوتے ہیں۔ جہاں انہیں بہ حالت مجبوری رہائش پذیر ہونا پڑتا ہے۔ وہ ایک ڈربے سے نکل کر دوسرے ڈربے میں پناہ گزیں ہو جاتے ہیں اور یوں مجبوریوں اور بے چارگیوں کی یہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

> "یہ گھر سڑے بُسے چہروں والے ادھیڑ عمر کے مردوں، سوکھی ساکھی پوپلے منہ والی بوڑھی عورتوں اور خود پسند، ضدی اور اکھل کھرے بچوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہاں کا ہر باسی دنیا سے بیزار اور زندگی میں ساڑ پھونک کے نظریے کا حامی تھا۔ ہر آدمی پریڈ کرتا ہوا گھر میں داخل ہوتا اور ان کے جوتے راہ میں پڑی ہوئی ہر شے کی خبر لیتے۔۔۔۔۔" (۹)

اے حمید نے اس ناول میں کردار نگاری بھی بہت جاندار کی ہے۔ لیکن ایک بات کھٹکتی ہے کہ ناول کا ہیرو مرکزی کردار ہونے کے باوجود قول و عمل سے عاری ہے ناول میں زیادہ تر ضمنی کرداروں کی حالات و واقعات ہی

بیان ہوتے ہیں ناول نگار نے اپنے ناول کا مقصد صرف تقسیم کے بعد کے حالات کا ذکر کرنا ہے چونکہ وہ خود بھی انہی متاثرین میں سے ہیں اور ہیرو بے عملی کی تصویر بنا ان کا نظارہ کرتا رہتا ہے۔ البتہ یہ ہے کہ ناول میں خواتین کا کردار بہت اہم ہے۔ ہیرو کی چاچی اس کی بیٹی ذینی اور اس طرح کے ضمنی کردار ایسے ہیں جو ناول میں اپنی حرکت و عمل کی وجہ سے زندہ ہیں۔ یہ خواتین صورت زندہ و پائیندہ نظر آتی ہیں ہیرو کی باجی رضیہ اور چھوٹی بہن روگی بھی ناول میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

"ڈربے" میں غریب کے معاشرتی حالات کا خوب بیان ملتا ہے۔ مہاجرت کے بیان کو خوب انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> "پاکستان کی نئی نسل کے لیے خاص طور پر اے حمید کے اس پہلے ناول کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ اسے علم ہو سکے کہ ان کے بزرگوں نے پاکستان کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دیں اور وطنِ عزیز کا قافلہ اپنی سنہری منزل تک کیسے پہنچا۔[۱۰]

یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ "ڈربے" تقسیم ہند کے اثرات کا مکمل احاطہ کرتا ہے، اور اے حمید کے پر شکوہ اور دلفریب اسلوب کے رنگوں کا حسین گلدستہ پیش کرتا ہے۔ ان کا پہلا ناول ہونے کے باوجود انہیں ناول نگاری کے فنی تقاضوں کا مکمل ادراک ہے۔ ناول میں منظر نگاری بھی خوب کی گئی ہے۔ مکالمے بہترین اور پر اثر ہیں۔ جزئیات نگاری کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ تجسس و جستجو سے بھرپور اس ناول کو اے حمید کے نمائندہ ناولوں کا بہترین شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر یوسف عباسی، مترجم، پاکستانی کلچر، ایک تناظر، قائدِ اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، ص۹۷

۲۔ اے حمید، ڈربے، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۶ء، ص۴

۳۔ ایضاً، ص، ۱۱

۴۔ ایضاً، ص، ۱۳

۵۔ ایضاً، ص، ۲۹

۶۔ ایضاً، ص، ۳۱

۷۔ ایضاً، ص، ۳۴

۸۔ ایضاً، ص، ۳۲

۹۔ ایضاً، ص،۴۵

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی،، فلیپ، ڈربے از اے حمید، مقبول اکیڈمی لاہور، ص ۳۷